سلسلۂ مطبوعات مجالس بنا کردہ

شہزادہ والاشان نواب معظم جاہ بہادر دام اقبالہٗ

# پہلی مجلس (مکمل)

از

علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ

(بمقام دیوڑی نواب کمال یار جنگ مرحوم)

۲۵ر صفر المظفر سنہ ۱۳۷۶ھ م یکم اکتوبر سنہ ۱۳۵۶ھ

باہتمام

اکرم فاطمی

ملنے کا پتہ

مکان آرائش - بی کلاس ۱۲ زہرا نگر قریب منڈی میر عالم

اعجاز مشین پریس چھتہ بازار

ہدیہ دو آنہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم —
الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والجنۃ
للمومنین، والنار للمشرکین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ
اشرف الانبیاء والمرسلین، سید الاولین والآخرین،
خیر مبشرین والمنذرین، شفیع المذنبین ابی القاسم
محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین، غیر المبینین
اما بعد فقد قال اللہ تبارک فی الکتاب المبین، اَفَغَیْرَ
دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (سورہ آل عمران)

پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ کیا لوگ اللہ کے دین کے غیر کی خواہش کرتے ہیں، حالانکہ اس کے لئے آسمان اور زمین والے اپنی اطاعت کی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔ خوشی کے ساتھ یا قہر و جبر کے ساتھ، اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہوگی۔

دوسرے الفاظ میں پروردگار عالم چاہتا ہے کہ دین اللہ کے غیر کی اطاعت نہ کی جائے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر دین اللہ سے مطلب دین اسلام ہوتا تو آیت ایسی نہ ہوتی۔ چنانچہ بعد کی تیسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے، ومن یبتغ غیر الاسلام دینا — جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو پسند کرے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسے مان لیا جائے



تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر دین اللہ کون سا دین ہے جس کی اطاعت کا ذکر پہلی آیت میں کیا گیا ہے؟ اس آیت کے ذیل میں چند امور بیان کرنے کے قابل ہیں
اس مقام پر یہ نہیں بتایا گیا کہ اللہ کا دین ہے کیا تاکہ اسے اختیار کیا جاتا۔
سب سے پہلے جو بات قابل بیان ہے وہ یہ ہے کہ دین کیا ہونا چاہیئے جو اللہ کا دین کہا جا سکے۔ اس کی وضاحت کل کی مجلس میں کی جائے گی۔ دین درحقیقت دین اللہ ہے جسے دوسرے الفاظ میں محبت کہتے ہیں یعنی دین اللہ سے مراد اہل بیت محمد مصطفےٰ ہیں۔ تیسری مجلس میں اس کی تشریح آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ چوتھی مجلس میں متعدد آیات کی روشنی میں تفصیلات بیان کی جائیں گی۔

اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں — سبھی جانتے ہیں کہ ہر کام کے لئے اصول ہوتے ہیں۔ انہی اصولوں کے ماتحت کام انجام دیئے جاتے ہیں اور انہیں جانچا جاتا ہے۔ مسلک عقل یہ نہیں ہے کہ پہلے کام ہو اور بعد میں اصول آئیں بلکہ اصول پہلے ہوتے ہیں اور ان کے ماتحت عمل۔ اسے یوں سمجھئے کسی دفتر میں چند جائیدادیں تقرر طلب ہیں۔ ان میں سے بعض کے لئے بی۔ اے اور بعض کے لئے میٹرک پاس اشخاص کی ضرورت بتائی جاتی ہے۔ وہ درخواستیں وصول ہونے پر تقرر کرنے والا ضرورت کے لحاظ سے بی۔ اے اور میٹرک پاس کا تقرر کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ملازمتوں کے لئے جو بھی درخواست دے دے اس کا تقرر کر لیا جاتا ہے، یعنی اگر میٹرک پاس نے درخواست دی تو اس

کا تقرر کر کے طے کر لیا کہ اس جائیداد پر میٹرک پاس کا تقرر ہونا چاہیئے یا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصول پہلے بنا لئے جاتے ہیں۔ پھر اصول اتنے واضح ہونے چاہئیں جیسے دو اور دو چار۔ اصول کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ کسی شخص کو اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ اس قدر جلی ہوں جیسے ایک اور ایک، دو۔ اگر وہ مخفی ہوئے تو کسی اور دلیل کی ضرورت ہوگی۔ اصول کو فطرت کے عین مطابق ہونا چاہیئے۔ اور اگر ایسے اصول کی مخالفت کی جائے تو وہ فطرت کی مخالفت سمجھی جائے گی۔ میں آپ سے دین کے متعلق عرض کر رہا تھا۔ ہر شخص یہ سمجھتا اور کہتا ہے کہ اس کا دین، دین اللہ ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں، مجوسی بھی، یہودی بھی اور عیسائی بھی، حالانکہ اختلافات کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ دین کو اصولی حیثیت سے ایسی چیز ہونا چاہیئے جس کی ہم جانچ کر سکیں۔ دلائل پیش کرتے وقت یہ بات ذہن سے نہیں نکلنی چاہیئے کہ پروردگار عالم نے انسان کو اس کی فطرت میں کلیات دے کر بھیجا ہے۔ جزئیات کے تشخص میں جو دھوکہ ہوتا ہے اسے صاف کرنے کے لئے انبیا اور کتابیں آئیں۔ قدرت نے انسان کو فطرت عطا فرمائی ہے۔ فطرت وہ نہیں جسے سمجھنے کے لئے اسکول اور کالج میں پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ فطرت کے مطابق عمل کرنے کے لئے ماں، باپ یا بزرگوں کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ کوئی چاہے بتائے یا نہ بتائے، جب کسی نے پوچھا کیا ہے تو کہہ دے یہ ہے۔ مثلاً



جھوٹ بولنا، دنیا کے کسی مقام پر بھی جھوٹ کو کوئی شخص اچھا نہیں کہے گا، خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو کیوں نہ ہو۔ بچہ کو اگر جھوٹا کہہ دیا جائے تو وہ یقیناً برا مانے گا اور اس کے تاثرات اس کے چہرہ پر محسوس کئے جا سکیں گے۔ جھوٹ کی برائی کو انسان فطرت میں لے کر آتا ہے۔ ایک بات میں بہت ہی مختصر طور پر ایک مثال کے ذریعہ سے واضح کر دوں۔ کوئی شخص کبھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو یہ سمجھتا ہو کہ اس نے اپنے آپ کو پیدا کیا یا وہ خود بخود پیدا ہو گیا۔ جو لوگ خدا کو نہیں مانتے انھیں کہنا پڑتا ہے کہ کوئی نہ کوئی قوت ہے جس نے انھیں پیدا کیا۔ انسان فطری طور پر یہ مانتا ہے کہ کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ انسان باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے اور عقل و فہم رکھنے کے اپنے میں کسی چیز کو خلق کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پیدا کرنا تو بڑی بات ہے، ذرات عالم میں سے کسی ایک ذرہ کو فنا کرنے کی طاقت اس میں نہیں۔ مادہ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرات کو منفی، مثبت ذرات یعنی الکٹرون اور پروٹون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آیا یہ ذرات مرکب ہیں یا مفرد، ان کی ترکیب میں تک شک ہے۔ بعض سائنسدان اس بات کا امکان بتاتے ہیں کہ یہ [illegible] کے اجزا ہوں۔ اتنے حقیر ذرات کہ جب کوئی تجزیہ نہیں کر سکتا تو پیدا کیا کرے گا۔ ایک ذرہ کے متعلق [illegible] ہو تو انسان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے [illegible]

ہوتا ہے۔ جزئیات میں اس دھوکہ کو دور کرنے کے لئے انبیاء
وکتب آئے۔

فطرت انسانی میں ایک چیز یہ داخل ہے کہ دلیل فطری ہونی چاہیئے۔ ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ اسلام فطری مذہب ہے یہ دعویٰ اسی وقت درست ہوگا جب عمل مطابق فطرت ہو انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کو پسند کرتا ہے جو اچھی ہو۔ جوان اور بچے کی اس میں تخصیص نہیں۔ ذرا میں اپنے مافی الضمیر کو ایک مثال کے ذریعہ سے واضح کردوں۔ ایک شخص ایک کوزہ خریدنا چاہتا ہے۔ وہ ایک دوکان پر جاتا ہے جہاں بہت سے کوزے دھرے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن میں کچھ نہ کچھ نقص ہے اور ایک ایسا ہے جو بے عیب ہے بتایئے خریدنے والا کونسا کوزہ خریدے گا۔ اس کے فیصلہ کے لئے کسی عالم کی ضرورت نہیں۔ جاہل سے جاہل شخص بھی یہی چاہے گا کہ بے عیب کوزہ کو خریدے۔ پیسے دے کر کوئی عیب دار چیز کیوں خریدنے چلا؟ اگر وہ ایسا کوزہ خریدے جس میں نقص ہو تو دیکھنے والا کہے گا کہ اچھی چیز کے ہوتے ہوئے عیب دار کو کیوں پسند کیا۔ خریدنے والا خود ایسے فرد کا انتخاب کریگا جو ناقص نہ ہو۔ کیا اس فطرت صحیحہ سے کوئی انکار کرسکتا ہے؟ جانے دیجئے جوان اور بوڑھوں کو۔ کسی بچے کے سامنے دو کھلونے رکھ دیجئے جن میں کا ایک صحیح وسالم ہو اور دوسرے کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہو۔ اس سے کہئے کہ دونوں میں سے ایک چن لے۔ بچہ کبھی اس کھلونے کو نہیں لے گا جس میں نقص ہو۔ معلوم ہوا کہ اچھی چیز کو پسند کرنا ایک واضح فطرت ہے۔ جانے دیجئے اسے بھی۔ حیوان کی مثال میں آپ کو دوں؟ کسی بھینس کے سامنے آپ دو قسم کا چارہ ڈال دیجئے ایک ایسا جو تازہ ہو اور دوسرا وہ جو باسی ہو۔ کئی دن کا رکھا ہوا۔ آپ دیکھیں گے کہ بھینس کبھی اس چارہ کی طرف رخ بھی نہیں کرے گی جو باسی ہو بلکہ تازہ چارہ کھانا چاہے گی۔ یہ اور بات ہے کہ تازہ چارہ نہ ملے۔ تب تو مجبوراً اسے باسی چارہ استعمال کرنا پڑے گا۔ اسے بھی چھوڑیئے، نباتات کو لیجئے۔ آم کی گٹھلی آپ زمین میں بوتے ہیں تو وہ زمین سے انہی اجزاء کو جذب کرے گی جو اس سے مناسبت رکھتے ہیں اور جو اس کے اعتبار سے اور اس کی طبیعت سے بے عیب ہوں۔ اور اسی لئے تو آم کی گٹھلی سے آم کا درخت اگتا ہے، ببر کا درخت نہیں اگتا۔ اپنی طبیعت سے میل کھانے والے اجزاء سے استفادہ کرنا نباتات کی فطرت میں داخل ہے۔ اس کی مخالفت فطرت کی مخالفت کے مترادف ہوگی۔

دنیا میں سب سے زیادہ ضروری چیز کیا ہے؟ کھانا، پینا، سونا، ظاہر ہے کہ ضروری چیزیں ہیں۔ یہ سب جسم کے لئے ہیں ........ تاکہ جسم تندرست رہے۔ جسم ایک مادی چیز ہے۔ اس کی حقیقت مردہ ہے۔ مرنے سے پہلے بھی مردہ اور بعد بھی مردہ۔ زندہ چیز تو روح ہے

جو پہلے سے ہی زندہ اور بعد میں بھی زندہ رہتی ہے۔ روح کو عالم ملکوت سے لا کر جسم میں اس لئے داخل کیا کہ اس میں وہ صفات پیدا ہو جائیں جن کے ساتھ حقیقت میں زمین جنت سے مناسبت پیدا ہو جائے۔ کسی صفت کا پیدا ہونا اور چیز ہے اور اس کا جاننا دوسری چیز۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی صفت کو اچھی طرح سمجھتا ہو لیکن وہ اس میں موجود نہ ہو۔ ایک بزدل شخص سے پوچھئے کہ شجاعت کیسی صفت ہے۔ وہ کہے گا شجاعت ایک اچھی صفت ہے لیکن یہ جان لینے سے وہ بہادر نہیں بن جاتا۔ کسی صفت کا جاننا اور اس کا نفس میں پیدا ہونا دو الگ الگ چیزیں ہیں، کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ نماز بری چیز ہے؟ نماز کو کوئی بھی برا نہیں کہتا لیکن نمازی بہت کم ہیں۔ عبادت کو سبھی اچھا کہتے ہیں لیکن عابد بہت کم ملیں گے۔ سارے مسلمان کو آپ نے یہ کہتے سنا ہوگا کہ اہل بیت سے افضل کوئی نہیں، اہلبیت کے بغیر تو اسلام، اسلام نہیں۔ یہ صرف جاننا ہے، اس کے آثار کا عمل میں پیدا ہونا اور چیز ہے۔ پروردگار عالم نے جسم کو روح کے لئے اس لئے تجویز فرمایا تا کہ عمل کی صلاحیت جسم میں پیدا ہو جائے اور روح اچھی صفات اختیار کر سکے۔ سورۂ شعرا میں ارشاد ہوتا ہے، کافر یہ سمجھیں گے کہ کاش! ایک مرتبہ دنیا میں پلٹ جاتے تو ہم بھی مومن بن جاتے۔ جب مجاز کی دنیا سے گذر کر عالم حقیقت میں پہنچے تو تمام چیزوں کی



حقیقی شکلیں نظر آئیں اور یہ بات کہنی پڑی۔ سمجھنے کی بات ہے کہ اگر ایمان لا سکتے تو آرزو کیوں کرتے؟ معلوم ہوا یا نہیں لا سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی روح میں اچھی صفات پیدا نہیں کی تھیں جو جسم و بدن کے استعمال کی اصلی غرض ہے۔ اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب اپنے عمل کو صحیح ہدایت کے تابع بنایا جائے۔ جب ہم کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کوشش ہوتی ہے کہ اچھی سے اچھی حاصل کریں لیکن کیا وجہ ہے کہ ہادی کو چنتے وقت فطرت صحیحہ کا استعمال نہیں کیا جاتا؟ ابتدا سے آخر عمر تک ہر بات میں فطرت صحیحہ کے مطابق عمل کیا اور ہادی کی تلاش کرتے وقت اس فطرت کو چھوڑ بیٹھے۔ حالانکہ آپ کو ایک ایسی فرد کو چن لینا ہے جو بے عیب ہے۔ یہ کام کوئی مشکل نہیں۔ جس میں کوئی عیب دیکھا اسے الگ کر دیجئے۔ اگر کوئی جھوٹا ہو تو اسے پرے ہٹا دیجئے۔ کسی نے بے وفائی کی ہو تو اسے الگ کر دیجئے۔ کوئی جہاد سے بھاگا ہو تو اس کی طرف سے نظریں ہٹا لیجئے۔ ڈھونڈیئے اسے جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پروردگار عالم پر حجت کا تمام کرنا واجب تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان فردوں کو بے عیب رکھتا۔ تیرہ سو سال گذر گئے، اس دوران میں کیا کیا نہیں ہوا؟ انتقال کے تین مہینے بعد ہی اہلبیت کو قبریں چھپانی پڑیں۔ جناب سیدہ کی قبر مطہر کے متعلق پتہ نہیں کہ وہ انتقال کے حجرہ میں ہے یا جنت البقیع میں۔ امیر المومنینؑ کی قبر کا نشان ہارون الرشید

کے زمانے میں ظاہر ہوا۔ اہلبیت کا نام لینا جرم تھا۔ حکومتیں
مطلق العنان اور بے لگام تھیں۔ انھوں نے اہلبیت پر کیا
کچھ مظالم نہیں کئے۔ مخالفت کی انتہا یہ تھی کہ چھ سو سال تک
کوئی اپنے بچوں کے نام اہلبیت کے نام پر نہیں رکھ سکتا تھا۔ لیکن
اس کے باوجود اہلبیت کا یہ اتنا بڑا معجزہ ہے کہ تیرہ سو برس
گزرنے کے بعد بھی کوئی ان کے دامن پر دھبہ نہیں لگا سکتا۔ ہادی
کی یہ شان ہونی چاہیئے۔ جاہل بھی سمجھ لے اور تسلیم کرے کہ یہ بے عیب
ہیں یہ فطرت کا قاعدہ کے عین مطابق ہے اس قاعدہ سے بہت
سی چیزیں سمجھ میں آتی ہیں۔ وہ جو اول مخلوق ہے اسے افضل
مخلوق ہونا چاہیئے۔ پہلا مخلوق نور محمد مصطفیٰ ہے۔

مصنوع کو دیکھ کر صانع کے بارے میں رائے قائم کی جاتی
ہے۔ ہر چند کہ کوئی صانع کو نہ دیکھا ہو۔ اسے یوں سمجھئے۔ میز کے
چار پائے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک چھوٹا ہو تو آپ کہیں گے
بنانے والا نالائق ہے۔ مصنوع میں عیب ہو تو بنانے والے پر
عیب وارد ہوگا۔ تاج محل کی سبھی تعریف کرتے ہیں اس کے بنانے
والے کو کسی نے دیکھا نہیں۔ تعریف کی نسبت دراصل اس کی طرف
ہوتا ہے۔ ہم میں لاکھوں عیوب ہیں لیکن کیا اس کی وجہ سے ہمارے
خالق کے بارے میں کہا جا سکے گا کہ وہ بھی معاذ اللہ عیب دار ہے
ایسا نہیں ہے۔ اس کے اور ہمارے درمیان لاکھوں واسطے ہیں ماں
باپ، دادا، دادی اور ان کے ماں، باپ، اسی طرح خالق اور ہمارے
درمیان کتنی نسلیں ہو جاتی ہیں۔ واسطہ کا معاملہ ہے جیسے ہمارے

عیوب کے تعلق سے خالق میں عیب جوئی نہیں کی جا سکتی۔ ہاں
اگر اس مخلوق میں عیب ہو جس کے اور خالق کے درمیان کوئی واسطہ
نہیں تو خالق کی ذات تک عیب پہنچے گا۔ جب اول مخلوق
خالق کی بے عیب صنعت ہوگی تو وہ عالم نہیں بلکہ خود علم ہوگی
نورانی نہیں بلکہ خود نور ہوگی۔ زندہ نہیں بلکہ خود زندگی ہوگی
اگر اسے عالم، نورانی اور زندہ مان لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ
جاہل سے عالم بنی، ظلمت سے نورانی بنی اور پہلے مردہ تھی بعد
کو زندہ ہوئی۔ اس سے صانع میں عیب نکل آئیں گے۔ حالانکہ اس
کی ذات ہر عیب سے مبرا ہے۔ ایسی صورت میں خالق و مخلوق
میں فرق صرف بنانے والے اور بننے والے کا ہوگا۔ اور مخلوق میں
عیب ہوگا تو فقط اسقدر کہ وہ خالق نہیں۔ خدا نہیں اور اگر
کہیں خدا ہیں تو پھر خدا ہی نہ ہوتا۔ یہ ہے پہلی مخلوق کی
شان۔ ارشاد ہوا "اول ما خلق اللہ نوری"۔ پھر ارشاد ہوا
انا و علی من نور واحد۔ ہمہ تن علم ہی علم ہے —
وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ میرا
رسول خواہش نفس سے نہیں بولتا، اس کا بولنا خود وحی ہے۔
علم جو اول مخلوق ہے مرکب نہیں، واحد ہی واحد ہے۔
ناقابل تقسیم، شاید اس کی توضیح میں ارشاد ہوا۔ انا نکتۃ
تحت الباء۔ اس علم کا نام ہے حقیقت قرآنیہ۔ ایک
حقیقت ہوتی ہے۔ مظاہر علیحدہ ہوتے ہیں۔ ایک محمد
مصطفیٰ، دوسرا قرآن، تیسرے علی۔ محمد مصطفیٰ کے بعد

انھیں کہاں سے لا سکتے ہیں؟ باطن کو عالم ظاہر میں لانے کے لئے لازم تھا کہ نور کے ٹکڑے کر دیئے جاتے۔

جمادات سے نباتات کی، نباتات سے حیوانات کی، حیوانات سے انسان کی، انسان سے انبیاء کی اور انبیاء و مرسلین سے ہمارے رسول کی نوع اونچی ہے۔ جس طرح حیوان، انسان اور انسان، نبی نہیں بن سکتا اسی طرح سارے نبی بھی محمد مصطفیٰؐ نہیں بن سکتے۔ سلیمان نبی ہیں تو اپنی امت کے تعلق سے، لیکن وہ موسیٰ کے امتی تھے اس لئے کہ شریعت موسوی پر عمل پیرا تھے۔ رسول اللہ کی نوع اونچی ہے اور سارے انبیاء کی نوع نیچی۔ محمد مصطفیٰ رسول اللہ ہیں سارے نبیوں کے۔ محمدؐ کے تعلق سے سارے نبی امتی بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ دنیا سے اٹھ جائیں تو ان کی جگہ پر ہوگی اسی نوع کی دوسری فرد ہے۔ اسی لئے پروردگار نے اس نور اول کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ہے کوئی رسول کی نوع کی دوسری فرد؟ آواز آئے گی انا و علیؑ من نور واحد۔ فطری اصول و قواعد کے لحاظ سے ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔

ارشاد باری ہے۔ وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام و کان عرشہ علی الماء (پارہ ۱۲) وہ تو وہی ہے جس نے چھ دن میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ یہاں پانی سے مراد ہے طینت محمدیہ۔ اس طینت کے لئے جو روح اول تھی اس کا تعلق سب سے ہے۔ کمالات کے اعتبار سے سب ایک ہیں۔ اسی لئے نور رسول نے فرمایا ہے کہ اولنا محمد اوسطنا محمد، آخرنا محمد، کلنا محمد، علم نور، زندگی ــــ کوئی ایسی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، یہی خزانے تقسیم ہوئے۔ تمام انبیاء کو جو بھی کمال ملا۔ بقدر قابلیت ہمیں سے ملا۔ سارے نبی یکجا ہو جائیں۔ نور رسول کے برابر نہیں ہو سکتے جس طرح ہیرے کی کنی مل کر ایک ہی ہیرے کے برابر نہیں بن سکتے۔ جاہلوں کا مجموعہ



جاہل ہوگا؛ پچاس لاکھ غیر معصوم ایک معصوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مسلمان کہتے ہیں اسلام میں جمہوریت ہے۔ ذرا جمہوریت کا حال علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کی زبان سے سنیے۔ کہتے ہیں

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کاری شو کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

غیر معصوم کے مجموعہ کی معرفت ناقص ایک معصوم کے مقابلہ میں صفات رذیلہ حامل نفسانیہ میں کامل کے مقابل ناقصوں کا مجموعہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے۔ ایک معصوم کی عبادت کے مقابل تمام عالم کی عبادت آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جب یہ عصمت اور اونچی ہوگی تو علی کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہوگی۔ کامل اگر چاہیں تو غیر معصوم کے لئے آگ کے شعلے بے اثر ہو جائیں۔ جنانچہ حکم امام سے ہارون مکی کو آگ جلا نہ سکی۔ اور یہ نور اول کا ہی کرشمہ تھا کہ موسیٰ پر بھی تنور کی آگ کا اثر نہیں ہوا۔ اسی طرح جناب امیر کو خدا کہنے والا جب آگ میں ڈال دیا گیا تو آگ اسے اس وقت تک نہیں جلا سکی جب تک کہ آپ کا حکم نہ ہوا۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے۔ کنت کنزاً مخفیہ واحببۃ من عرف۔ فخلقتہ الخلق۔ میں خزانہ مخفی تھا مجھے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں، میں نے مخلوق پیدا کی۔ یہاں مخلوق سے مراد تمام انسان نہیں ہیں کیونکہ ہم آپ تو یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ وہ جو ایک ہے اس ایک کے معنی کیا ہیں، اسے پہچاننا تو بہت بڑی بات ہے۔ چنانچہ چھٹے پارہ میں ارشاد باری ہوتا ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح بس خدا ہیں وہ ضرور کافر ہو گئے۔ ایک دوسری آیت اس پر مزید روشنی ڈالتی ہے۔ لا تقولوا ثلاثہ

تین کے قائل نہ ہونا کیونکہ عیسائی باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں کو خدا مانتے ہیں۔ یہاں یہ ارشاد ہے کہ جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے، وہ کافر ہو گئے خدا کو تین کا تیسرا ماننا عین کفر اور تین کا چوتھا کہہ دینا عین ایمان۔ ملاحظہ ہو اٹھائیسواں پارہ۔ ارشاد ہوتا ہے،

الم تر ان اللہ ـــــ ثلاثۃ الا ھو رابعھم۔ علم عدد کے جاننے والے جانتے ہیں کہ عدد دو سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک مستقل بحث ہے کہ وہ واحد ہے لیکن واحد عددی نہیں۔ جب عام انسان خدا کو نہیں پہچان سکتے تو وہ کون سی مخلوق تھی جو اسے پہچاننے کے لئے پیدا کی گئی اور پیدا ہوتے ہی معرفت کے ساتھ ہمہ تن معرفت بن گئی؟ وہ کمال تھا اور حقیقت کمال یہ چاہتی ہے کہ وہ پہچانا جائے۔ اسے پہچاننے والی مخلوق پہلا نور تھا یعنی محمد و آل محمد جنھوں نے کمال معرفت سے اسے پہچانا۔ اور ہمارا کمال یہ ہے کہ ہم انھیں پہچانیں، کیوں کہ ان کے بغیر خدا تک ہمارا پہنچنا محال ہے۔ حقیقت میں ظل اللہ محمد مصطفےٰ ہیں جن کا ذکر انیسویں پارہ میں یوں ہوا ہے

الم تر الی ربک کیف مد الظل ـــ

ہر مسلمان کہہ رہا ہے کہ دونوں جہاں کے بادشاہ حقیقی رسول اللہ ہیں۔ اس لحاظ سے جناب سیدہؑ دونوں جہاں کی شہزادی ہوئیں اور امام حسنؑ و امام حسینؑ دونوں جہاں کے شہزادے۔ اس کی تصدیق آیت مباہلہ کر رہی ہے۔

بادشاہ کے گھر میں اگر کوئی غم ہو جائے تو وفادار رعیت اس میں شریک ہو گی اور جو غم میں شریک نہ ہوں وہ غدار قرار پائیں گے اور انھیں اس بادشاہ کی حکومت میں رہنے کا حق نہیں۔ مقتضائے فطرت یہ تو نہیں ہے کہ خود ہنستے پھریں اور غم منانے والوں کی ہنسی اڑائیں یہ کہتے ہوئے کہ صبر کرو



صبر کی تلقین کرنے والے صبر کے معنی بھی جانتے ہیں؟ قرآن سمجھ کر پڑھیں تو معلوم ہو گا۔ انبیاء روئے ہیں، خود رسول اللہ روئے ہیں۔ کیا انبیاء بے صبر تھے؟ رسول اللہ کو صبر کے معنی معلوم نہ تھے؟ حسینؑ کی شہادت پر رونا عین صبر ہے۔ صبر عربی کا لفظ ہے۔ قرآن میں اکثر مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ علامہ غزالی کی کتاب دیکھئے۔ خواہش نفس اور قوت عاقلہ اگر ٹکرا جائیں تو عقل کا بتایا ہوا راستہ اختیار کرنا صبر ہے۔ میدان جنگ میں جہاد کے موقع پر نفس کہتا ہے بھاگ جاؤ، عقل کہتی ہے: نہیں، تعمیل کرو، عقل کے مطابق عمل کیا تو صبر کیا، بھاگ گئے تو بے صبری ہوئی، ایسا صبر صبر فی الطاعت بھی ہوا اور صبر فی العبادت بھی۔ جہاں عقل نہیں، صبر نہیں۔ حیوانات میں عقل نہیں تو صبر بھی نہیں، ملائکہ میں خواہش نفس نہیں تو انھیں بھی صابر نہیں کہہ سکتے۔ یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ اس میں خواہش نفس بھی ہے اور عقل بھی۔ رسول اللہؐ کی اتباع کرنا عقل کے مطابق ہو گا۔

رسول اللہ کا شہادت امام حسینؑ پر رونا اس واقعہ سے ثابت ہے جو تفصیل کے ساتھ کتب صحاح اور مسند امام حنبل وغیرہ میں درج ہے۔ حضرت ام المومنین ام سلمہ نے عاشور محرم کو خواب میں رسول اللہ کو روتے ہوئے، سر برہنہ، پا برہنہ، گریبان چاک، سر پہ خاک ڈالے ہوئے دیکھا۔ ام سلمہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ فرمایا، کربلا سے آ رہا ہوں، میرے بچے حسینؑ کو بھوکا پیاسا شہید کر ڈالا گیا۔ رسول اللہ کا عمل حکم دے رہا ہے کہ ہم بھی روئیں۔

بھائی، ہم کس کس بات پر صبر کریں؟ بھوک پیاس پر؟ اصحاب کے مارے جانے پر؟ علی اکبرؑ

کی جوان لاش پر، علی اصغرؑ کی ننھی سی میت پر، عباسؑ جیسے باوفا بھائی کی مفارقت پر؟ اس مصیبت عظمیٰ پر زمین و آسمان روئے ہیں، آسمان سے خون برسا ہے زمین سے خون اُبلا ہے۔ ماں، باپ، بھائی اور اولاد مر جائے تو دو چار سال میں ان کا غم باقی نہیں رہتا لیکن جب محرم کا چاند نظر آتا ہے تو ہر شخص ایسا محسوس کرتا ہے کہ آج ہی واقعہ گزرا ہے اور غم تازہ ہو جاتا ہے۔ امام زین العابدینؑ پر کیا گزری ہوگی جنھوں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا؟ کوئی کتاب یہ نہیں بتلاتی کہ آپ مدینہ سے بیمار چلے ہوں۔ غالباً ساتویں محرم سے جب کہ پانی بند کر دیا گیا اور فوجیں آنا شروع ہوئیں آپ تپ میں مبتلا ہو گئے۔ مسلم ابن عوسجہ نے فوجوں کی آمد کا ذکر کیا تو آپ کے چچا تھے امام نے زرہ پہنی، سر پہ خود رکھا، ہاتھ میں نیزہ لئے، گھوڑے پر سوار میدان میں نکل پڑے اور فرمایا، کیا تم مجھے شجاعت دلا رہے ہیں۔ باپ نے عباس کو بھیج کر واپس بلایا اور اب جو آپ خیمہ میں داخل ہوئے تو پھر عصر عاشور تک خیمہ سے باہر نہ نکل سکے آپ کو غش سے اس وقت افاقہ ہوا جب سارے اقربا اور انصار کی شہادت کے بعد امامؑ آخری رخصت کے لئے خیمہ میں تشریف فرما ہوئے اور بیمار بیٹے کو بیدار کیا امامؑ اس وقت اس قدر زخمی تھے کہ آپ انھیں پہچان نہ سکے۔ پھر حسینؑ نے اسرار امامت سپرد فرماتے ہوئے صبر کی یوں تلقین فرمائی کہ بیٹا میرا امتحان تو ہو چکا اب تمہارا امتحان شروع ہونے والا ہے ماں، بہنوں، پھوپھیوں کو سر برہنہ دیکھنا ہے اور انھیں ساتھ لے کر دربار یزید میں جانا ہے۔ فقط

نوٹ

بیان اور مطالب کی صحت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تاہم کوئی فرد گذاشت رہ گئی ہو تو ازراہ کرم معاف فرمایا جائے۔